© rasailojaraid.com

مقالات

غازی عزیز، الخبر
(المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

امام غزالی

شریعت کی عدالت میں

تحریر کا پس منظر:

امام غزالی کی شخصیت امت کے نزدیک ایک مختلف فیہ شخصیت رہی ہے، بعض کے نزدیک یہ جس قدر و منزلت کی حامل ہے، اس کے لیے ان کے خوش عقیدگان کی تصانیف[1] کے ہزارہا صفحات شاہد ہیں۔ لیکن ان بے شمار صفحات کے مطالعے سے جس چیز کا اندازہ ہوتا ہے وہ محض اتنا ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات نے ان کی استقامت و عزیمت، علم و فضل، زورِ بلاغت، صوفیانہ طرز زہد، اخلاصِ نیت اور اسی قبیل کے دوسرے بشری اوصاف سے مرعوب ہو کر ان کی تصانیف یا ان کی شخصیت کو کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی سرے سے کوشش ہی نہیں کی بلکہ ان کی مدح و تعریف میں اس قدر پروپیگنڈا کیا کہ کسی شخص کو، الا ما شاء اللہ، امام مرحوم کی شخصیت و تصانیف پر تنقیدی نظر سے مستقل مطالعہ و تحقیق کی جرأت نہ ہو سکی، بعض نے تحقیق و جستجو کی کوشش کی بھی تو بجز چند[2] ان کی تصانیف[3] افراط و تفریط سے محفوظ نہ رہ سکیں، چنانچہ

---

[1] مثلاً "الغزالی" مصنف مولانا شبلی نعمانی، "تاریخ دعوت و عزیمت" ج ۱ مولانا ابوالحسن علی ندوی، "حقیقۃ فی نظر الغزالی" لدکتور سلیمان دنیا، "اتحاف السادۃ المتقین" (شرح الاحیاء)، "مقالۃ فی مهرجان الغزالی بدمشق"، "تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء" از عبدالقادر الحسینی، "الاحیاء" تحقیق حافظ زین الدین عراقی، "طبقات الشافعیۃ لابن السبکی"، "مؤلفات الغزالی" از عبدالرحمٰن البدوی، "سیرت الغزالی" لعبد الکریم عثمان وغیرہ [2] شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ و حافظ ابن الجوزی رحمہم اللہ [3] "مقارنۃ بین الغزالی و ابن تیمیہ" لدکتور محمد رشاد سالم اور "الامام الغزالی فی میزان ابن تیمیہ و ابن الجوزی" مطبوعہ مکتبہ دار المعرفۃ بدمشق وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذیل میں اس تحقیقی خلاء کو نہایت محتاط اور متوازن طریقہ پر کسی نہ کسی حد تک پُر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اگرچہ یہ مختصر مضمون اس بات کا قطعاً متحمل نہیں ہو سکتا کہ امام غزالی کی تمام تصانیف یا ان کے عقیدت مند حضرات کی مدحی تصانیف کو اول تا آخر پڑھ کر ان پر مفصل تنقید کر سکے۔

زیرِ نظر مضمون سے امام غزالی جیسے بزرگ کی قدر و منزلت گرانا مقصود نہیں ہے کیونکہ جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اس میں، انبیائے معصوم کے علاوہ، کچھ قابلِ تعریف اوصاف رہے ہیں اور کچھ مذموم۔ اس بحث سے ہمارا مقصد علمی تحقیق و جستجو کے ساتھ یہ بھی ہے، کہ جملہ مسلمانوں کو امام موصوف کی بعض خطاؤں سے آگاہ و متنبہ کر دیا جائے تاکہ خواص و عوام کا وہ خوش عقیدہ گروہ جو آنکھیں بند کر کے اُن کی تمام باتوں پر ایمان لا چکا ہے اور ان کے فرمودات کو واجب الاتباع تصور کرتا ہے، اصل اسلام اور صحیح دین کی معرفت کے لیے تعمق، فراخ دلی اور وسیع النظری سے کام لے۔ نیز حق و باطل کی تمیز کے لیے صرف کتاب و سنت کی طرف رجوع کرے جیسا کہ شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا قول ہے:

"وَلَا يَجِبُ عَلٰى اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلْتِزَامُ مَذْهَبِ شَخْصٍ مُعَيَّنٍ غَيْرَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۳۸۷)

یعنی "کسی مسلمان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور شخص کے مذہب کو لازمی خیال کرے۔"

اس مضمون کی ترتیب میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی ہے کہ خود امام غزالی کی تصانیف کو ماخذ بنایا جائے یا پھر ممتاز مفکرین، مستند علمائے اسلام، مقبول مورخین اور مشہور سوانح نگاروں کی کتب سے مدد لی جائے۔

اس قابلِ قدر شخصیت کا بدقتِ نظر مطالعہ کرنے سے قبل آپ کی مختصر سوانح بیان کرنا یقیناً بے محل نہ ہو گا۔

امام غزالیؒ کی پیدائش اور تعلیم:

امام غزالیؒ کا نام محمد کنیت ابو حامد اور والد کا نام بھی محمد تھا۔ ۴۵۰ھ میں ضلع طوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقام طاہران میں پیدا ہوئے، مسلکاً شافعی تھے۔ آپ کے والد محمد ایک دیندار مخلص، علم دوست اور غریب مسلمان تھے، جنہوں نے اپنے انتقال کے وقت امام غزالی کو اپنے کسی صوفی دوست کے حوالہ کر کے ان کی تعلیم و تربیت کی وصیت کی تھی۔ لیکن بعد میں انہی صوفی صاحب نے امام صاحب کی تعلیم کا انتظام کرنے سے معذرت کا اظہار کیا، چنانچہ آپ ایک دینی مدرسہ میں داخل ہو کر باقاعدہ تعلیم میں مصروف ہو گئے۔ اپنے وطن ہی میں شیخ احمد الراذکانی سے فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی پھر جرجان میں امام ابونصر اسماعیلی سے پڑھا، اس کے بعد نیشاپور جا کر امام الحرمین کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں اپنے تمام رفقاء میں، جو چار سو کی تعداد میں تھے، ممتاز ہو گئے اور اپنے نامور استاذ کے معید (نائب) بن گئے۔ امام الحرمین کے انتقال کے بعد ۴۷۸ھ میں نیشاپور سے نکلے۔ اس وقت ان کی عمر اٹھائیس ۲۸ سال کی تھی لیکن بڑے بڑے کبیر السن علماء سے زیادہ ممتاز اور باکمال سمجھے جاتے تھے۔" (تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۳۰)

علمی عروج :

درس و تدریس سے فارغ ہونے کے بعد امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے نظام الملک نے ان کی قابلیت دیکھ کر مدرسہ نظامیہ کی صدارت کے لیے ان کو منتخب کیا۔ یہ اعزاز اس دور میں علمی عروج و کمال کا انتہائی منصب تصور کیا جاتا تھا۔ ۴۸۴ھ میں شہر بغداد میں داخل ہوئے اور مدرسہ نظامیہ کی مسند درس و صدارت کو زینت بخشی۔ اس وقت آپ کی عمر چونتیس ۳۴ سال سے زیادہ نہ تھی۔ آپ کے ایمان افروز دروس سے بلا تفریق امراء و وزراء و علماء و عوام الناس غرض ایک کثیر خلق خدا فیضیاب ہوتی تھی۔ "۴۸۵ھ میں ان کو خلیفہ عباسی، مقتدی باللہ، نے ملک شاہ سلجوقی کی بیگم، ترکان خاتون کے پاس، جو اس وقت سلطنت کی مالکہ تھیں، اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت، مصنف ابوالحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۳۱)

امام غزالی کو مختلف علوم کے حصول اور ان کے حقائق کو جاننے کا پیدائشی طور پر شوق تھا، چنانچہ آپ نے بہت کم وقت میں متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ اور صوفیاء تمام کا لٹریچر پڑھ ڈالا اور ان کے دلائل اور معیار کو پرکھا۔ چنانچہ ایک مقام پر خود امام غزالی لکھتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں :

"متکلمین جو اہل عقل و نظر کے مدعی تھے، باطنیہ جن کا دعویٰ تھا کہ ان کے پاس تعلیمات اور اسرار ہیں اور انہوں نے براہِ راست امام معصوم سے علمِ حقائق حاصل کیا ہے، فلاسفہ جن کا کہنا ہے کہ وہی اہلِ منطق و اہلِ استدلال ہیں، صوفیہ جو اپنے کو صاحبِ کشف و شہود کہتے ہیں۔ میں نے ان میں سے ہر گروہ کی کتابوں اور خیالات کا مطالعہ کیا، تو کسی سے بھی مطمئن نہیں ہوا۔"

(المنقذ من الضلال للغزالی)

مطالعہ کے بعد آپ نے ان سب علوم میں گرانقدر تصانیف کیں جن کا ذکر آگے آئے گا ان میں سے بعض تنقیدی اور بعض تائیدی پہلو سے لکھی گئی تھیں۔

مسندِ درس سے کنارہ کشی صحرا نوردی اور خلوت نشینی :

مختلف علوم کے مطالعہ کے دوران آپ کو تصوف اور صوفیانہ طرزِ زندگی بے حد پسند آیا، نتیجتاً رفتہ رفتہ آپ کے دل میں مدرسہ نظامیہ کے مشغلۂ درس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ جاہ طلبی کے برعکس اکثر و بیشتر آپ اس معزز پیشہ کو خیرباد کہنے کے متعلق سوچنے لگے۔ مسلسل اسی کشمکش و پیچ کی حالت میں مبتلا رہنے کے باعث آپ کی صحت پر بڑا اثر پڑا اور درس و تدریس سے دلچسپی قطعاً ختم ہو گئی۔ بعض جگہ آپ نے خود اپنی اس علالت کے بارہ میں لکھا ہے مثلاً کثرتِ بے خوابی، بدہضمی، قلتِ جوع، طبیعت میں گراوٹ، مزاج میں چڑچڑاپن نسیان، اکتاہٹ، دل پر بوجھ اور ذہن میں خلل و تشکیک کا رجحان وغیرہ[1]۔

ایک طویل اندرونی کشمکش سے دوچار رہنے کے بعد آخر بغداد کو خیرباد کہنے اور مشغلۂ درس و تدریس کی جگہ خلوت و عزلت کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ آپ کے بغداد چھوڑنے کی خبر سے تمام اہلِ علم طبقہ میں ایک افسوس کی لہر دوڑ گئی۔ مدرسہ نظامیہ کے اساتذہ، طلباء، معززینِ شہر اور خود نظام الملک کی طرف سے مدرسہ نظامیہ کی مسندِ درس پر قائم رہنے کا برابر مطالبہ ہوتا رہا، مگر آپ نہایت پختہ عزائم کے مالک تھے، اپنے خلوت نشینی کے فیصلہ پر قائم رہے اور ماہ ذوالقعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکل کر شام پہنچے۔ وہاں دو[2]

[1] ملاحظہ ہو المنقذ من الضلال للغزالی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سال قیام کیا، پھر شام سے بیت المقدس پہنچے اور وہاں گوشہ نشین رہے۔ آخر میں سرزمین حجاز تشریف لے گئے، حج وزیارت سے فراغت کے بعد ۴۹۸ھ میں اپنے وطن واپس پہنچے۔ اس طرح آپ کی دس سالہ صحرانوردی کا یہ دور ختم ہوا۔ خود امام غزالی نے اپنی زندگی کے یہ تمام واقعات اپنی ایک کتاب "المنقذ من الضلال" میں بہت تفصیل سے لکھے ہیں، لیکن چونکہ یہاں تمام تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لیے صرف چند ضروری اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

"بغداد سے میں شام آیا اور وہاں دو سال کے قریب رہا، وہاں میرا کام عزلت وخلوت اور مجاہدے کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے علم تصوف سے جو کچھ حاصل کیا تھا اس کے مطابق نفس کا تزکیہ، اخلاق کی درستی وتہذیب اور ذکر اللہ کے لیے اپنے قلب کو مصفا کرنے میں مشغول رہا۔ میں مدت تک دمشق کی جامع مسجد میں معتکف رہا۔ مسجد کے منارے پر چڑھ جاتا اور تمام دن دروازہ بند کیے وہیں بیٹھا رہتا۔ دمشق سے میں بیت المقدس آیا، وہاں بھی روزانہ

۵ھ استاذ محمود مہدی استانبولی بیان کرتے ہیں کہ "(امام) غزالی صلیبی جنگوں کے دوران منارۂ دمشق کی خلوت صوفیاء میں آرام کرتے رہے، اس کے بعد القدس کے قبۂ صخرہ میں۔ ان جنگوں میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے لیکن انہوں نے شرکت نہیں کی۔" (بطل الاصلاح الدینی، ابن تیمیہ، لمحمود مہدی صـ ۱۴۳ و ۲۵۳ وکذا فی مقالہ فی مہرجان الغزالی بدمشق)۔ جہاد سے فرار کس قدر قبیح فعل ہے یہ کسی مسلم سے پوشیدہ نہیں ہے، پھر آخر امام صاحب نے کیوں ان صلیبی جنگوں سے اپنا دامن بچائے رکھا؟ اس کے متعلق ڈاکٹر عمر فروخ لکھتے ہیں:

"تمام صوفیہ مثلاً (امام) غزالی کا حروب صلیبیہ کے متعلق یہ موقف ہے کہ ان جنگوں سے باز رہنا چاہیئے کیوں کہ ان کے اعتقاد کے مطابق یہ مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کے اپنے گناہوں کی سزا ہے۔" (الغزالی الی الیقین صـ ۳۰۰-۳۰۱ وکذا فی مقالہ فی مہرجان الغزالی بدمشق)

۵۶ھ دمشق کی قدیم مسجد جامع الاموی کے ایک کونہ میں یہ منارہ واقع تھا جو بعد میں "الزاویۃ الغزالیۃ" کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔ لیکن عبد الرحمٰن البدوی الوجودی (استاذ بجامعہ عین شمس) کا دعویٰ ہے کہ:

"میں جامع الاموی کے اس مشہورہ منارہ کے آخر تک چڑھا ہوں، جو بدرجہا طویل ہے لیکن مجھے اس میں کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں غزالی کا خلوت نشین ہونا ممکن نظر آتا ہو۔ لیکن بعض محققین کا قول ہے کہ وہ اصل منارہ آگ لگنے کے باعث منہدم ہوچکا ہے جس میں غزالی کی خلوت گاہ تھی۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صخرہ کے اندر چلا جاتا اور دروازہ بند کر لیتا۔ سیدنا ابراہیمؑ کی زیارت کے بعد میری طبیعت میں حج وزیارت کا شوق اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے برکات سے استفادہ کا خیال ہوا۔ چنانچہ حج کرنے کے بعد اہل وعیال کی کشش اور بچوں کی دعاؤں نے مجھے وطن پہنچایا۔ حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں بھاگتا تھا۔ وہاں بھی میں نے تنہائی کا اہتمام رکھا اور قلب کی صفائی سے غافل نہ ہوا" الخ (المنقذ من الضلال للغزالی)

امام غزالی کی مشغلۂ درس وتدریس کی طرف واپسی :

ابھی وطن میں مشکل سے ایک سال ہی گزرا تھا کہ بہت سے مذہبی فرقے اپنے باہمی اختلافات کو فتنہ کی شکل میں لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ہر طرف سے اصرار کیا جانے لگا کہ امام غزالی ان فتنوں کا مقابلہ اپنے علم وفضل اور براہینِ قاطعہ سے کرنے کے لیے دوبارہ مسندِ درس سنبھال لیں، لیکن آپ بخوشی اپنی خلوت نشینی کو ترک کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ جب یہ اصرار سرکاری حکام کے ساتھ علماء وصلحاء کی جانب سے برابر ہوتا رہا تو امام صاحب نے ماہ ذیقعدہ ۴۹۹ھ میں نیشاپور کا رخ کیا اور مدرسہ نظامیہ کی مسندِ درس کو زینت بخشی۔ درس وتدریس کی طرف آپ کی اس بازگشت کو بہت سراہا گیا۔ اس سلسلہ میں خود امام صاحب لکھتے ہیں :

"مجھے اس فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لیے نیشاپور پہنچنے کا تاکیدی حکم دیا۔ یہ حکم سلطانی کچھ اس نوعیت کا تھا کہ مجھے محسوس ہوا کہ اگر میں نے اس کی تعمیل نہ کی تو ناراضگی تک نوبت پہنچے گی۔ میں نے خیال کیا اب میرے لیے عذر باقی نہیں رہا، اب میری گوشہ نشینی اور خلوت پسندی محض سستی اور راحت طلبی اور تن آسانی کے لیے ہوگی اور آزمائش اور تکالیف سے گریز، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

"أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ - وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الْكٰذِبِيْنَ ٥

نیز اپنے رسول کریمؐ سے، جو اس کے بندوں میں سب سے معزز و مکرم تھے، اس کا ارشاد ہے:

"وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ٥ ۸"

میں نے چند اہلِ قلوب اور اہلِ مشاہدات سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا انہوں نے بھی بالاتفاق مجھے ترکِ عزلت کا مشورہ دیا۔ اس کی تائید میں بہت سے صلحاء نے متواتر خواب بھی دیکھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ میرا یہ قدم بڑی خیر و برکت کا ہوگا، اور پانچویں صدی کے شروع میں جس میں ایک ہی مہینہ باقی تھا کوئی شاید عظیم الشان تجدیدی کام ہوگا، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایسے آدمی کو پیدا کرتا ہے جو اس امت کے دین کو تازہ کر دیتا ہے ۹۔ ان سب آثار و قرائن سے مجھے

۷ (عنکبوت۔ ۲،۳) "کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ وہ اکیلے یونہی چھوڑ دیئے جائیں گے، کیوں کہ وہ کہتے ہیں: "ہم ایمان رکھتے ہیں" اور ان کو آزمائش میں نہ ڈالا جائے گا؟ اور بے شک ہم نے آزمایا اُن کو جو ان سے قبل تھے اور اللہ یقیناً جانچے گا ان کو جو سچے ہیں اور جانچے گا یقیناً جھوٹوں کو بھی" (تفسیر بمطابق انگریزی ترجمہ "معانی القرآن الکریم لابن کثیر"، ص ۲۹۵، مرتبہ دکتور محمد تقی الدین الہلالی المراکشی و دکتور محمد حسن خاں)

۸ (الانعام۔ ۳۴) "دراصل (بہت سے) پیغمبروں کو جھٹلایا گیا تم سے پہلے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لیکن صبر کے ساتھ انہوں نے اس جھٹلانے کو برداشت کیا اور ان کو اذیتیں پہنچائی گئیں حتیٰ کہ ہماری مدد ان تک پہنچی اور کوئی نہیں بدل سکتا اللہ کے کلمات کو۔ یقیناً وہاں تم تک پہنچ چکی ہے اطلاع رسولوں کے بارے میں" (تفسیر بمطابق انگریزی ترجمہ "معانی القرآن الکریم لابن کثیر" ص ۱۲۰، مرتبہ دکتور محمد تقی الدین الہلالی المراکشی و دکتور محمد حسن خاں) ۹ مشہور سوانح نگار استاد محمود مہدی استانبولی امام ابن تیمیہؒ کی سوانح لکھنے کے دوران امام غزالی کے اس دعویٰ کی تردید اس طرح فرماتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سرے پر ایک ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس امت کے لیے دینِ الٰہی کے احکامات کی تجدید (بقیہ ص آئندہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی اس کی امید پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نیشاپور کا سفر مقرر کر دیا۔ اور میں نے اس کارِ عظیم کا ارادہ کر لیا۔ یہ ۴۹۹ھ کے ماہ ذیقعدہ کا قصہ ہے۔ بغداد سے ذیقعدہ ۴۸۸ھ میں نکلا تھا اس طرح سے میری گوشہ نشینی کی مدت گیارہ سال ہوتی ہے۔ الخ" (المنقذ من الضلال للغزالی)

امام صاحب نے دوبارہ مشغلۂ درس و تدریس اور وعظ و نصیحت اپنا تو لیا لیکن آپ کے پہلے دَور یعنی جو خلوت نشینی سے قبل تھا، اور اس بعد کے دَور کے درمیان زمین و آسمان کا فرق تھا۔ پہلے دَور میں علمی مباحثہ و مناظرہ کا دَور دَورہ تھا، فلسفہ آمیز شریعت کی اشاعت اور خود ان کے بقول شہرت و حُبّ جاہ کا رجحان تھا جب کہ دوسرا دَوران میں سے اکثر باتوں سے خالی ہے، یہ دور محض ترکِ دنیا کی دعوت اور تصوف و فلسفہ و شریعت کے امتزاج کی تبلیغ کے لیے وقف نظر آتا ہے۔ لہٰذا خود امام صاحب لکھتے ہیں:

"مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ علم کی نشر و اشاعت کی طرف میں نے پھر رجوع کیا ہے لیکن درحقیقت اس کو پہلی حالت کی طرف بازگشت کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس پہلی اور دوسری حالت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ میں پہلے اس علم کی اشاعت کرتا تھا جو حصولِ جاہ کا ذریعہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ لیکن اب میں اس علم کی دعوت دیتا ہوں جس سے جاہ سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ اب میں اپنی اور دوسرے کی اصلاح چاہتا ہوں۔ الخ"

(المنقذ من الضلال للغزالی بالاختصار ص۲۸-۲۹)

(بقیہ صفحہ گزشتہ) فرماتا ہے۔ پس یہ حدیث امام غزالی پر نہیں بلکہ امام ابن تیمیہؒ پر صادق آتی ہے کیونکہ امام غزالیؒ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں (یعنی نئی صدی کے سرے پر) وفات پائی، جب کہ امام ابن تیمیہؒ ۶۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۷۲۸ھ میں وفات پائی (یعنی آٹھویں صدی کے سرے پر نہ صرف بحیات رہے بلکہ ربع صدی سے کچھ زیادہ ہی جیے اور تجدیدِ دین میں مصروف رہے) نیز حدیث شریف میں تجدید یا احیاء کا مقصد و مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اسلام کے اولین چشمۂ صافی کی طرف مسلمانوں کو دعوت دی جائے اور اس اسلام کی تطہیر کی جائے جس میں بدعات شامل کی گئی ہوں۔ لیکن امام غزالی وہ شخص ہیں جنہوں نے اس مقصد و مطلب کے برعکس بہت سے امور میں اہلِ سنت کے خلاف کام کیے ہیں الخ" (ابن تیمیہ بطل الاصلاح الدینی لمحمود مہدی ص۱۴۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدرسہ نظامیہ سے دوبارہ کنارہ کشی اور بقیہ زندگی :

امام صاحبؒ کا نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس کا یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔ محرم ۵۰۰ھ میں جب فخر الملک (پسر نظام الملک) ایک باطنی کے ہاتھوں شہید ہوا تو اس کے تھوڑے ہی دن کے بعد آپ نے مدرسہ نظامیہ کی تدریسی سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور اپنے وطن طوس میں جاکر سکونت اختیار کرلی اور گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں تعلیم و تربیت میں مشغول ہو گئے۔[۱۰]

امام صاحب کی بقیہ زندگی علمی و دینی اشتغال میں گزری، لیکن اس عرصہ میں کبھی بھی کسی علمی یا دینی مباحثہ یا مناظرہ میں حصہ نہ لیا۔ چونکہ سرکاری بیت المال کے ذرائع آمد کو حرام تصور کرتے تھے[۱۱] اس لیے کوئی وظیفہ یا سرکاری عطیہ بھی قبول نہ کیا۔ البتہ اس دوران گاہے بگاہے سلاطین و حکام پر تنقید کرتے اور انہیں اصلاح کے لیے ابھارتے رہے۔ اس سلسلہ میں آپ نے مختصر رسائل بھی لکھے ہیں۔ ملک شاہ سلجوقی کے بیٹے سلطان سنجر کو جو خراسان کا فرمانروا تھا اور محمد بن ملک شاہ کو، جو سنجر کا بڑا بھائی تھا، امام صاحب نے خطوط کے ذریعہ ان کے مظالم، مردم آزادی اور رعایا کی زبوں حالی پر جس انداز سے متنبہ فرمایا ہے، ان سے امام صاحب کی جرأت مندانہ طبیعت کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔"

(ملاحظہ ہو "مکتوبات امام غزالی" ص ۱۹ ورسالہ نصیحت الملوک للغزالی)

مدرسہ نظامیہ میں آمد کیلئے اصرار اور امام صاحب کی معذرت :

۵۰۴ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ نے جب نظام الملک کے بڑے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کیا تو اس نے امام صاحب کو پھر بغداد میں بلانا چاہا، بارگاہِ خلافت سے بھی اس کی تحریک ہوئی، قوام الدین نظام الملک وزیر اعظم نے خود لکھا اور مدرسہ نظامیہ کی اہمیت و مرکزیت بیان کی اور خود خلیفہ عباسی کی طرف سے اس خواہش کا اظہار کیا لیکن امام صاحب نے ان سب کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جس میں اپنے عذر کچھ اس طرح بیان کیے :

---

۱۰ تاریخ دعوت وعزیمت، مصنفہ مولانا ابوالحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۸۷

۱۱ احیاء علوم الدین للغزالی ج ۲ ص ۱۲۰ و ۱۲۲ و ۱۲۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"۱- یہاں طوس میں ڈیڑھ سو[۱۵۰] طالب علم مصروفِ تحصیل ہیں جن کو بغداد جانے میں زحمت ہوگی۔ (۲) جب میں پہلے بغداد میں تھا تو اہل و عیال نہ تھے، اب ان کا ساتھ ہے اور یہ لوگ ترکِ وطن کی زحمت نہیں اٹھا سکتے۔ (۳) میں نے مقامِ خلیل میں عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نہ کروں گا اور بغداد میں اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ (۴) دربارِ خلافت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہونا ہوگا اور میں اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ (۵) سب سے بڑھ کر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا اور بغداد میں میری کوئی جائیداد نہیں ہے۔ الخ" (الغزالی مصنفہ مولانا شبلی ص۲۱ مختصراً)

امام صاحب کی وفات:

امام ابو حامد غزالی نے طاہران میں ۱۴ جمادی الاخریٰ ۵۰۵ھ بروز دوشنبہ بوقت صبح پچپن[۵۵] سال کی عمر میں وفات پائی۔ (اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء العلوم ص۱۱-۱۲ مختصراً)

امام غزالی اور تردید باطنیہ:

امام صاحب نے خلیفہ مُستظہر باللہ، جو مقتدی باللہ کا جانشین تھا اور امام صاحب سے خاص ربط و ارادت رکھتا تھا، کی فرمائش پر فرقہ باطنیہ[۱] کے رد میں ایک کتاب لکھی جس کا نام اسی خلیفہ کی نسبت سے "مستظہری" رکھا۔ اس کتاب کا تذکرہ امام صاحب نے اپنی خود نوشت "المنقذ من الضلال" میں کیا ہے۔

---

[۱] یہ فرقہ فلاسفہ اور صوفیاء کی اتباع کرتا ہے۔ امام غزالی کے بعد امام ابن تیمیہؒ نے بھی اس فرقہ کی ان تمام باتوں کی صحت کا انکار قرآن و احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے، جن کا یہ دعویٰ کرتے تھے، اور ان باطل احادیث کی تردید بھی کی ہے جن کو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کہتے تھے کہ آپؐ نے فرمایا ہے مثلاً "القرآن باطن وللباطن باطن الی سبعۃ أبطن"۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ "اگر کوئی علم باطن کے مطالعہ کا ارادہ کرے تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ شریعت کے مخالف، ملحدوں، زندیقوں اور جاہل ضال کا علم ہے اور اس کی تاویل کی نوعیت فلاسفہ و صوفیاء جیسی ہے۔"

(رسالہ فی العلم الظاہر والباطن ضمن مجموعۃ الرسائل المنیریۃ ج۱ ص۲۲۹-۲۳۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب "مستظہری" میں امام صاحب سے جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا تعاقب امام ابن الجوزیؒ نے کیا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں ان کی ایک تاریخی غلطی کو پیش کیا جا رہا ہے۔ امام ابن الجوزیؒ لکھتے ہیں:

"اسی طرح انہوں نے اپنی کتاب مستظہری میں لکھا ہے، جس کو انہوں نے مستظہر باللہ کی خدمت میں پیش کیا تھا کہ سلیمان ابن عبدالملک نے ابوحازم سے کہلایا کہ مجھے اپنے ناشتہ میں سے کچھ تبرکاً بھیجو، انہوں نے ان کے پاس ابلا ہوا چوکر بھیجا، سلیمان نے اس کا ناشتہ کیا، پھر اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا، اور اس سے عبدالعزیز پیدا ہوئے، اور عبدالعزیز کے عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے۔ یہ سخت مغالطہ ہے، اس لیے کہ انہوں نے عمر ابن عبدالعزیز کو سلیمان بن عبدالملک کا پوتا قرار دیا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے ابن العم تھے ——— الخ"

(صید الخاطر لامام الجوزی حنبلی ج ۳ ص ۶۰۴)

تردید باطنیہ کے موضوع پر "مستظہری" کے علاوہ امام صاحب کی چند اور کتب کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً "حجۃ الحق"، "مفصل الخلاف"، "قاصم الباطنیہ"، "فضائح الاباحیہ"، اور "مواہم الباطنیہ"۔ ان میں سے پہلی تین ۳ کتب کا تذکرہ امام غزالی نے "جواہر القرآن" میں کیا ہے۔

"احیاء العلوم" امام صاحبؒ کی ایک انقلابی تصنیف:

"احیاء علوم الدین" امام غزالی کی ایک نہایت مشہور اور مقبول بلکہ انقلابی تصنیف ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ امام غزالی صرف "احیاء العلوم" اور "المستصفی" کے باعث ہی زندہ ہیں تو کسی حد تک غلط نہ ہوگا۔ مولانا شبلیؒ نے اس کی وجہ تصنیف اس طرح بیان کی ہے:

"بغداد میں ان کو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا۔ تمام مذاہب کو چھانا، کسی سے تسلی نہیں ہوئی، آخر تصوف کی طرف رخ کیا ..... آخر سب چھوڑ چھاڑ کر ایک کملی پہن کر بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی، سخت مجاہدات و ریاضات کے بعد بزم راز تک رسائی پائی۔ یہاں پہنچ کر ممکن تھا کہ اپنی حالت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں مست ہو کر تمام عالم سے بے خبر بن جاتے لیکن

؎ بیا د آر حریفاں بادہ پیمارا

کے لحاظ سے افادۂ عام پر نظر پڑی، دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے

..... وہ یہ دیکھ کر ضبط نہ کر سکے اور اس حالت میں یہ کتاب لکھی۔"

(الغزالی، مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ص ۶۳-۶۴)

مولانا ابوالحسن علی الندوی بتاتے ہیں کہ :-

"مصنف پر اس کتاب کی تصنیف کے زمانہ میں ہیبت کا غلبہ تھا۔"[۱۳]

اور مولانا شبلی نعمانی کا قول ہے کہ :

"یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی، خود امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے۔"

(الغزالی، مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ص ۳۳)

"احیاء علوم الدین" میں امام غزالی نے فقہ شافعی کو اختیار کیا ہے، چونکہ آپ خود شافعی المسلک تھے اور اس زمانہ میں بغداد اور اس کے گرد و نواح میں فقہ شافعی کا ہی زور تھا۔ اس کتاب میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً تزکیۂ نفس، تہذیب اخلاق، نفسیاتِ انسانی، تصوف، علم الکلام اور فلسفہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ کتاب کا ایک وسیع حصہ ہر گروہ و طبقہ کی خامیوں پر امام صاحب کی گرفت و تنقید پر بھی مشتمل ہے۔ ذیل میں کتاب کے خاص خاص ابواب کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے :

امام صاحب فقہی اختلافات و جزئیات پر بحث و موشگافی اور مناظرہ و مجادلہ کے شدید مخالف تھے[۱۴] چنانچہ اس کتاب میں تفصیل سے اس کے روحانی مفاسد اور نقصانات بیان کیے ہیں[۱۵]۔ فقہی اختلافات و جزئیات اور موشگافیوں کے لیے جو لوگ قرآنِ مجید کی آیت "لِیَتَفَقَّهُوا فِی الدِّینِ"[۱۶] اور حدیث "مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّینِ" اور علم الکلام و فلسفہ میں مباحثہ کیلیے "وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا"[۱۷] کا سہارا لیتے ہیں ان سب کو بتایا ہے کہ یہ الفاظ اپنی اصل حقیقت

۱۳؎ تاریخ دعوت و عزیمت، مصنفہ مولانا ابوالحسن علی الندوی ج ۱ ص ۱۶۷۔

۱۴؎ احیاء علوم الدین، للغزالی ج ۱ ص ۱۹، ۳۷، ۳۸۔ ۱۵؎ ایضاً ج ۱ ص ۴۰، ۴۳۔

۱۶؎ التوبۃ ۔ ۱۲۲، ۱۷؎ البقرۃ ۔ ۲۶۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھو چکے ہیں اور اپنے اصل مفہوم سے بہت دور پہنچتے جا رہے ہیں، نیز اس سے علماء کے ان موجودہ مشاغل کو کوئی مناسبت نہیں ہے[18]۔ ان کے زمانہ کے علماء نے جن جن علوم کے اشتغال میں حد سے تجاوز کر رکھا تھا مثلاً فقہی جزئیات و اختلافیات، علم الکلام و مباحثہ و مجادلہ، وعظ و تذکیر، علم حدیث اور اس کے متعلقات، نحو، لغت، شعر و ادب و مفردات کی تحقیق و حفظ میں غلو و مبالغہ اور اسی طرح زاہدوں اور صوفیاء کے ملفوظات و حالات یاد رکھنے پر اکتفاء وغیرہ ان سب باتوں پر امام صاحب نے تنقید کی ہے اور ان علماء کو اپنے اپنے مضامین کے بارہ میں جو غلط فہمی اور خوش گمانی تھی، اس کی حقیقت بیان کرنے کے بعد آخر میں اپنا تجربہ اس طرح بیان کیا ہے:

"دنیاوی علوم مثلاً طب و حساب اور صنعتوں کے علم میں اس قدر خوش گمانی اور خود فریبی نہیں ہے جتنی علوم شرعیہ میں ہے۔ اس لیے کہ کسی شخص کا یہ خیال نہیں ہے کہ دنیاوی علوم فی نفسہٖ ذریعہ مغفرت ہیں بخلاف علوم شرعیہ کے کہ وہ اپنے نتائج و مقاصد سے قطع نظر کرکے بجائے خود بھی ذریعہ مغفرت و تقرب الٰہی سمجھے جاتے ہیں[19]۔"

امام صاحب نے علماء کے ساتھ ان عوام الناس پر بھی تنقید فرمائی ہے جو محض مجالسِ وعظ یا مباحثِ علمی یا دینی مناظروں میں شرکت کو اپنا ذریعہ نجات سمجھتے ہیں[20]۔

امام صاحب نے اس کتاب میں جاہ طلب اور خدا ناترس علماء و قاضیوں پر بھی کھل کر تنقید کی ہے اور جابجا ان کا موازنہ صحابہ کرامؓ و خلفاء راشدینؓ سے کیا ہے[21]۔ اس دور کے علماء کے ساتھ سلاطین و حکام پر بھی تنقید ملتی ہے[22]۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ دین کو بگاڑنے والا گروہ فقط علماء و سلاطین کا گروہ ہی ہے[23]۔ بادشاہوں کے اموال و عطیات

[18] احیاء علوم الدین، للغزالی، بیان ما بدل من الفاظ العلوم ج ۱ ص ۲۸، ۳۲، [19] ایضاً ج ۳ ص ۳۴۲ [20] ایضاً ج ۳ ص ۳۵۲، [21] ایضاً ج ۱ ص ۳۸ و ج ۲ ص ۱۲۳، [22] ایضاً ج ۲ ص ۳۲، ۲۱۲، [23] امام غزالی سے تقریباً دو سو برس قبل حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے بھی علماء و سلاطین کے گروہ کو ہی دین بگاڑنے والا گروہ قرار دیا تھا۔ ان کا مشہور شعر یہ ہے ؎

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ
وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو بالعموم مشتبہ اور حرام بتایا ہے نیز اُس دور کے بیت المال کے ذرائع آمدنی کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔[۲۴]

امام غزالی نے احیاء علوم الدین کا ایک مستقل حصہ ان لوگوں کے متعلق لکھا ہے جو مختلف قسم کے مغالطوں اور فریبِ نفس میں مبتلا ہیں۔ اس میں انہوں نے علماء، عباد، زہاد، امراء، اغنیاء اور اہلِ تصوف سب کا جائزہ لیا ہے۔[۲۵] اس کتاب میں امام صاحب نے مساجد سے لے کر بازار، سڑکوں، حمام اور دعوت کی محفلوں غرض ہر ہر جگہ کی منکرات کو شمار کیا ہے۔[۲۶] اپنے زمانہ کے اہلِ ثروت، دولت مند اور اغنیاء پر بھی گرفت کی ہے۔[۲۷] ساتھ ہی اس دور کے نفس پرست، جاہ طلب، ریاکار، ظاہری اور نقال صوفیاء پر بھی تنقید فرمائی ہے۔[۲۸]

"احیاء" میں امام غزالی نے ایک مستقل عنوان قائم کر کے بتایا ہے کہ "انسان کو جاہ طلبی طبعی طور پر کیوں محبوب ہے، یہاں تک کہ شدید مجاہدہ کے باوجود بھی کسی کا قلب اس سے خالی ہونا مشکل ہے"۔ پورا عنوان اس طرح ہے:

"بَیَانُ سَبَبِ کَوْنِ الْجَاہِ مَحْبُوْبًا بِالطَّبْعِ حَتّٰی لَا یَخْلُوْ عَنْہُ قَلْبٌ اِلَّا بِشَدِیْدِ الْمُجَاھَدَۃِ"[۲۹]

ایک جگہ نصیحت اور ترغیب و ترہیب پر قلم اٹھاتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی، آخرت کی عظمت، ایمان و عمل صالح کی ضرورت، اصلاح و تہذیبِ نفس کی اہمیت اور امراضِ قلبی و نفسانی کی مضرت کی طرف توجہ دلائی ہے، نفس کی زجر و توبیخ میں ایک عنوان "المرابطة السادسة فی توبیخ النفس و معاقبها" قائم کیا ہے، جس میں بصورتِ مکالمہ اسے محاسبہ پر اکسایا ہے۔[۳۰]

ایک جگہ روح کے متعلق بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دوسرا سبب جو زیادہ طاقت ور ہے وہ یہ کہ روح ایک امرِ ربانی ہے"

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

۲۴؎ احیاء علوم الدین، للغزالی ج ۲ ص ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۲۳، ۲۵؎ ایضاً کتاب ذم الغرور، ۲۶؎ ایضاً ج ۲ ص ۲۹۳ تا ۲۹۹، ۲۷؎ ایضاً ج ۳ ص ۳۵۱-۳۵۲، ۲۸؎ ایضاً ج ۳ ص ۳۲۵ تا ۳۵۰۔ ۲۹؎ احیاء علوم الدین، للغزالی ج ۳ ص ۲۲۱، ۲۲۴، ۳۰؎ ایضاً ج ۴ ص ۳۵۶، ۳۵۸۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۖ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ" ؂۳۱

حکمِ ربانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ علومِ مکاشفہ کے اسرار میں سے ہے اور اس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حقیقت کا اظہار نہیں فرمایا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت کا علم حاصل کیے بغیر بھی تم کو اتنا معلوم ہو سکتا ہے، قلب میں ایک تو بہیمی صفات کا میلان پایا جاتا ہے، ایک میلان درندوں کی صفات قتل و ضرب و ایذا کا ایک اور شیطانی صفات مکر و فریب کا اور اسی کے ساتھ ایک میلان صفاتِ ربوبیت، کبر و عظمت، عزت اور سر بلندی کا بھی پایا جاتا ہے ..... قلب میں امر ربانی کا جو حصہ ہے اس کی بناء پر انسان کے اندر طبعی طور پر ربوبیت کی خواہش پائی جاتی ہے .... پس ربوبیت کی شان وجود یکتائی ہے اور یہی کمال ہے۔ انسان بھی بالطبع اسی بات کا خواہش مند رہتا ہے کہ وہ کمال میں یکتا ہو، بعض مشائخ صوفیہ نے فرمایا ہے کہ ہر انسان کے باطن میں وہی بات مضمر ہے جس کو فرعون نے صاف صاف کہہ دیا تھا" اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی" ؂۳۲ لیکن اس کو اس کا موقع نہیں ملتا۔ عبودیت نفس اسی لیے نفس پر شاق اور ربوبیت اسی لیے طبعاً سہل اور مرغوب ہے۔ یہ اسی نسبت ربانی کی وجہ سے ہے جس کی طرف " قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" میں اشارہ ہے۔ لیکن جب نفس انتہائی کمال تک پہنچنے سے عاجز رہا تو اس کے کمال کی خواہش بالکلیہ زائل نہیں ہوتی، بلکہ اب بھی وہ کمال کا خواہش مند اور متمنی رہتا ہے، اور اس کو کمال سے بالذات لذت حاصل ہوتی ہے۔ کمال کے علاوہ کسی اور مقصود کی خاطر نہیں، بلکہ نفسِ کمال کی خاطر" ؂۳۳ (جاری ہے)

؂۳۱ الاسراء: ۸۵ ؂۳۲ (النازعات: ۲۴)، مولانا روم نے اسی مضمون کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے ؎

نفس مارا کمتر از فرعون نیست
لیک اورا عون مارا عون نیست

؂۳۳ احیاء علوم الدین، للغزالی ج ۳۔

نوٹ: یہاں رُوح کی اس بحث کے قابل اعتراض مقامات کی نشاندہی یا ان پر تنقید نہیں کی جارہی ہے!

© rasailojaraid.com